سماجی رہنما کے لیے قرآنی اسلوب زندگی

طاہرہ ولایت

خلاصہ

خداوند کریم نے انسان کو عقل جیسی نعمت دی ہے اور انبیاء واولیاء علیہم السلام جیسے عظیم رہبر عطا کیے ہیں۔ مسلمانوں پہ خصوصی لطف کر کے انہیں قرآن و اہلبیت علیہم السلام جیسے "عظیم هادی" بھی دیئے اور ان دونوں کی محبت کو ہماری نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے اور ان کی پیروی کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو محتاج رہنمائی بنا کر بھیجا ہے اور اپنے معصوم بندوں انبیاء واولیاء علیہم السلام وآسمانی کتابوں کو اس کا رہبر قرار دیا ہے۔ ہر معاشرے کو رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا قرآن مجید نے دوسرے تمام موضوعات کی طرح "معاشرتی رہنما" کے لیے بہترین اسلوب زندگی بیان کیا ہے۔ اس مقالے میں انہی کے "اسلوب زندگی" کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مقالہ چند ابحاث پہ مشتمل ہے: خلاصہ، مقدمہ، مفاہیم شناسی اور پھر رہنما کے لیے دو طرح کے "اسلوب زندگی "انفرادی جیسے ایمان، علم، تقویٰ، و۔۔۔ واجتماعی جیسے عدالت، امانت و۔۔۔ کا ذکر کیا ہے اور آخر میں ایک کلی نتیجہ نکال کر بحث کو سمیٹا ہے۔ یہ بہت ہی اہم موضوع ہے جس کی ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح زندگی کے دیگر شعبوں میں آج اسلامی معاشرے انحطاط کا شکار ہیں ہمارے رہنما بھی اس سے نہیں بچ سکے۔ جب رہنما اپنے اخلاق کو قرآن مجید کے مطابق ڈھال لیں گے اور ان میں وہ خصوصیات پیدا ہو جائیں گی جن کی بنیاد پر وہ پہلے اپنی زندگی کو بہتر بنائیں گے پھر وہ انسانی معاشرے کی بہتری میں عملی کردار ادا کریں گے۔ جب کسی قوم کے رہنما ٹھیک ہو جاتے ہیں تو وہ قوم معاشرہ بھی ترقی کرنے لگتا ہے اور ایک وقت آتا ہے وہ قوم اور معاشرے دنیا کی بہترین قوم اور بہترین معاشرہ بن جاتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: معاشرہ، رہنما، قرآن، زندگی، اسلوب

مقدمہ

تمام حمد و ثنا ہے خداوند کریم کے لیے جس نے انسان کو عقل جیسی نعمت دے کر انبیاء و اولیاء علیہم السلام جیسے عظیم رہبر عطا کیے اور مسلمانوں پہ خصوصی لطف کر کے انہیں قرآن و اہلبیت علیہم السلام جیسے "عظیم ھادی" بھی دیے اور ان دونوں کی محبت کو ہماری نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے اور ان کی پیروی کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید کا تعارف کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ[1]

یہ کتاب، جس میں کوئی شبہ نہیں، ہدایت ہے تقویٰ والوں کے لیے۔

قرآن مجید میں انسان کی تمام ضرورتوں کا سامان اور تمام مشکلات کا حل موجود ہے اور "معاشرے کی رہنمائی" ایک اہم مسئلہ ہے، کیونکہ کوئی بھی معاشرہ 'رہنما' کے بغیر نہیں چل سکتا ہے اور قرآن مجید نے رہنما کے لیے بہترین "اسلوب زندگی" بیان فرمائے ہیں جنہیں اپنا کر ہر 'رہنما' کامیاب ہو کر دوسروں کی ترقی کا بھی سبب بن سکتا ہے۔اور اسی لیے میں نے مقالے کے لیے اس موضوع کا انتخاب کیا ہے۔

تاکہ ہمیں گھر، اداروں، ملکی و۔۔۔ کی سطح پہ "معاشرے کے رہنما" کے لیے "قرآنی اسلوب زندگی" کا علم ہو جائے جنہیں اپنا کر ہم سب بہت سی مشکلات سے چھٹکارہ پا سکتے ہیں خداوند کریم ہم سب کو اپنی زندگیوں میں "قرآنی اسلوب زندگی" اپنا کر سعادت مند زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مفاہیم شناسی

معاشرے، رہنما و اسلوب زندگی کے لغوی و اصطلاحی معنی

معاشرے کا لغوی معنی

معاشرے کو عربی زبان میں جامعہ کہا جاتا ہے۔اس کی اصل (جمع) ایک شئے کے دوسری شئے کے ساتھ مل جانے پر دلالت کرتی ہے۔

ایک شے کے دوسری شئے کے ساتھ مل جانے کو اجتماع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

---

[1]۔ سورہ بقرہ آیہ ۲

جامعہ (ج: جوامع) یعنی طوق اور وہ زنجیر جو ہاتھ اور پاؤں میں باندھے جاتے ہیں اور (انسان کو) جکڑ دیتے ہیں۔[2]

لفظ جامعہ جامع کا مؤنث اور "جمع" کا اسم فاعل ہے اور لغت میں "طوق، زنجیریں، جمع ہو جانا، اور وہ زنجیر جو ہاتھوں اور گردن کو جکڑ لے" کو جامعہ کہتے ہیں۔[3]

معاشرے کا اصطلاحی معنی

معاشرے کی اصطلاحی تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

انسانوں کی وہ خاص حالت جس کی بنا پر وہ مشترکہ قانونی زندگی گزارتے ہیں۔[4]

انسانوں پر مشتمل وہ جماعت جو خاص قوانین، خاص آداب و رسوم اور خاص نظام کی حامل ہو اور انہی خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے منسلک اور ایک ساتھ زندگی گزارتی ہو معاشرہ کہلاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ انسانوں کے اس مجموعے کا نام ہے جو ضرورتوں کے جبری سلسلے میں اور عقائد، نظریات اور خواہشات کے زیر اثر ایک دوسرے میں مدغم ہیں اور مشترکہ زندگی گزارتے ہیں۔[5]

رہنما کا لغوی معنی:

لوگوں کا سربراہ، سر کے لیے بھی استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے،[6] گروہ کا رہنما ہونا۔[7]

اصطلاحی معنی

"رہنمائی" کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی علم و ہنر والے افراد کے ایک گروہ کو کسی خاص مقصد تک پہنچانے کے لیے سنبھالنا۔[8] یا کسی کام کو چند افراد کے ذریعے انجام دینا تاکہ خاص مقصد تک پہنچ

[1]۔ مصطفوی تبریزی، حسن ،التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تہران: مرکز الکتاب للترجمۃ والنشر، ۱۴۰۲ق، ج ۲، ص ۱۲۶

[2]۔ اصفہانی، حسین بن محمد راغب، ترجمہ و تحقیق مفردات الفاظ قرآن، تہران، چ: دوم، ۱۳۷۴ش، ج ۱، ص ۴۱۱

[3]۔ جوادی آملی، عبداللہ، جامعہ در قرآن، قم: مرکز نشر اسراء، چ: سوم ۱۳۸۹ھ ش، ص ۲۶

[4]۔ ایضاً

[5]۔ مطہری، مرتضٰی، تاریخ اور معاشرہ، لاہور: شہید مطہری فاونڈیشن، بی تا، ص ۱۰

[6]۔، حسین بن محمد راغب اصفہانی، مفردات الفاظ قرآن ۔ (تہران: مرتضوی چاپ: دوم، ۱۳۷۴ھ. ش) ج ۴، ص ۳۹۴

[7]۔ فواد افرام بستانی، فرہنگ ابجدی ۔ (تہران: اسلامی چاپ: دوم، ۱۳۷۵ھ. ش.) ص ۲۲۶

[8]۔ نبوی، محمد حسن، مدیریت اسلامی، بی جا۔ بی تا ص ۲۵

سکیں۔[1] یا لوگوں کے ایک گروہ کو مخصوص مقصد کے لیے مختلف طریقوں سے سنبھالنا اور کسی کام پہ ابھار کر ان سے کروانا۔[2]

اسلوب کا لغوی معنی

ترتیب، طریقہ[3]

اسلوب کا اصطلاحی معنی

"اسلوب" عربی زبان کا لفظ ہے جسے انگلش میں "style" کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ کسی فرد، گروہ یا معاشرے کے زندگی گزارنے کا طور وطریقہ اور سلیقہ اسے فارسی میں طرز کہا جاتا ہے۔[4]

زندگی کا لغوی معنی

زندگی کو عربی میں حیاۃ کہتے ہیں جس کا معنی صاحب "القاموس "کے مطابق، نشوونما، بقا اور منفعت[5] اور "ابن فارس "کہتے ہیں: "فالحیاۃ وھوضد الموت"حیات" یعنی موت کی ضد[6]

زندگی کا اصطلاحی معنی

" صفة وجودية توجب للمتصف بها ان يعلم و يقدر و الحياة الدنيا هي ما تشغل العبد عن الآخرة"[7] حیات ایک وجودی صفت ہے، جو سبب بنتی ہے کہ موصوف جان لے اور قدرت حاصل کرے اور دنیوی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اسے آخرت سے روگردان کردے۔

---

[1]۔ رضاییان، علی، مدیریّت رفتار سازمانی بی جا۔ بی تا ص ۱۳

[2]۔ پرہیزکار، کمال، تئوریہای مدیریّت، بی جا۔ بی تا

[3]۔ بلیاوی، ابو الفضل عبد الحفیظ، مصباح اللغات، لاہور: مکتبہ خلیل، ص ۵۰۸، جوہری، اسماعیل بن حماد، دار المعرفۃ بیروت چ دوم ۲۰۰۷ء، معجم الصحاح ص ۶۳۷، محمد بن مقرم، لسان العرب، چ اول ۲۰۰۵ مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات۔ بیروت ج ۳ ص ۲۳۷۱

[4]۔ میریام وبستر، merrian-websters collegiate Dictionary، ص ۶۷۲

[5]۔ قاسمی کیرانوی، مولانا وحید الزمان، (مترجم: مولانا عمید الزمان قاسمی کیرانوی)، القاموس الوحید، کراچی: ادارہ اسلامیات، چ: اول، ۱۴۲۲ھ، جون ۲۰۰۱، ص: ۴۰۱

[6]۔ ابی الحسن احمد ابن فارس ابن زکریا، (مترجم: شھاب الدین ابو عمرو)، معجم المقاییس فی اللغۃ، لبنان: دار الفکر، بی، جا، ص: ۲۹۰

[7]۔ قاضی عبد النبی احمد نگری، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون الملقب بدستور العلماء، بیروت: بی، نا، چ: دوم، ۱۹۷۵م، ج ۲، ص ۷۰

قرآن کا تعارف

قرآن مجید علم و معرفت کا سب سے بڑا خزانہ اور افضل ترین کلام ہے اور ہر لحاظ سے "معجزہ" ہے جس میں تمام انسانی ضرورتوں و مسائل کا حل موجود ہے اور ہر قسم کی مشکلات کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اس کی علمی وسعت کا اعلان کرتے ہوئے خداوند کریم نے فرمایا:

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ -۱

خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

ہر قسم کے مسائل کا حل جب قرآن مجید میں ہے تو پھر "معاشرتی رہنمائی" کے بھی تمام اصول بہترین طریقے سے قرآن نے بیان کیے ہیں۔ جن پہ عمل کرکے "کامیاب رہنما" بنا جاسکتا ہے۔

معاشرے کو رہنمائی کی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک چھوٹے سے گھرانے سے لیکر ایک بڑی جماعت و ملک تک کے لیے، الغرض پورے معاشرے کو ایک 'رہنما' کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے ہر طرح کی سستی اور بد نظمی سے بچاتے ہوئے اس کے اندر نظم و انضباط پیدا کر سکے، جیسا کہ امام علیؑ فرماتے ہیں: "لاَبُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِير بَرّ أَوْ فَاجِر"[۲]، "لوگوں کے لیے ایک حاکم اور قائد کا ہونا ضروری ہے چاہے وہ نیک ہو یا برا۔"

اور دوسری جگہ پہ 'رہنما' کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَمَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهُ وَيَضُمُّهُ: فَإِنِ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ وَذَهَبَ، ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيرِهِ أَبَداً"[۳]

---

[۱]۔ سورہ انعام آیہ ۵۹

[۲]۔ ثقفی، ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال (محقق حسینی، عبدالزہراء)، الغارات، چ اول، قم: دار الکتاب الإسلامی ۱۴۱۰ق، ج ۲ ص ۶۳۷

[۳]۔ نہج البلاغۃ خطبہ ۱۴۷

ملک (معاشرے) میں ایک رہبر کی جگہ اس محکم دھاگے کی مانند ہے جو موتیوں کو ملا کر کے آپس میں جوڑتا ہے اور وہ اگر ٹوٹ جائے گا تو سارا سلسلہ بکھر جائے گا اور پھر ہر گز دوبارہ جمع نہیں ہو سکتا ہے۔

لہذا "قرآنی معاشرے" میں بھی صرف اچھا نظام ھی کافی نھیں بلکہ لوگوں کی سرپرستی کے لیے ایک مضبوط قیادت ور ہنمائی انتھائی ضروری ھے جو معاشرے کو ترقی کی طرف لے کر جائے اور الھی احکام و قوانین کو معاشرے میں صحیح طور سے نافذ کرے۔

قرآن میں رہنما کا ذکر

قرآن کریم میں مختلف طریقوں سے رہنما کا ذکر ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا [1]

اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔

دوسری جگہ پہ جہنم کی طرف بلانے والے رہنماؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ [2]

اور ہم نے انہیں ایسے رہنما بنایا جو آتش کی طرف بلاتے ہیں۔

اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا [3]

اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور انہوں نے انہیں پورا کر دکھایا، ارشاد ہوا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اور قرآن نے ایسے رہنماؤں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے عوام کی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے صحیح اقدامات کیے تھے۔ جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت کا واقعہ ذکر ہوا ہے اور معاشرے کی قیادت کے کچھ معیار ہیں جنہیں قرآن نے خوبصورت طریقے سے بیان کیا ہے فرمایا:

۱۔ سورہ انبیاء آیہ ۷۳

۲۔ سورہ قصص آیہ ۴۱

۳۔ سورہ بقرہ آیہ ۱۲۴

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ [1]

اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے، وہ انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے۔

اصل میں اللہ "سرپرست ور ہنما" ہے اور پھر جسے وہ بنائے وہ ولی ور ہنما ہے اور اس نے خود اپنے بعد مومنین کی سرپرستی رسول خدا ﷺ اور ان کے بعد ائمہ علیہم السلام کو دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ [2]

تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اس آیہ کی تفسیر میں مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ کے رکوع کی حالت میں انگوٹھی فقیر کو دینے پہ مندرجہ بالا آیہ نازل ہوئی۔ [3]

اور نقل ہوا ہے کہ اس آیہ سے مراد سب ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ [4]

رہنما کے قرآنی اسلوب زندگی

قرآن مجید نے تمام انسانی مسائل کے حل کی طرح "معاشرتی رہنما" کے لیے بہترین "اسلوب زندگی" بیان کیے ہیں جن سب کو اس مقالے میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا دو طرح کے اسلوب انفرادی، اجتماعی کو یہاں پہ بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ۔ سورہ بقرہ آیہ ۲۵۷

[2] ۔ سورہ مائدہ ۵۵

[3] ۔ میرزا خسروانی علی رضا (محقیق: محمد باقر بہبودی)، تفسیر خسروی، چ اول، تہران: انتشارات اسلامیہ، ۱۳۹۰ق ج ۲، ص ۴۰۵، استرآبادی حسینی، سید شرف الدین علی (تحقیق: حسین استاد ولی)، تأویل الآیات الظاہرۃ، قم: دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۴۰۹ق، ص ۱۰۵، اندلسی, ابن عطیہ عبدالحق بن غالب (تحقیق: عبدالسلام عبدالشافی محمد) المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ق، ج ۱، ص: ۱۷۳، بیضاوی, عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التأویل، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ ج ۱، ص: ۱۶۲، طبرسی، فضل بن حسن, مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران: انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۷۲، ج ۲، ص: ۶۶۷؛ طوسی، محمد بن حسن (تحقیق: احمد قصیر عاملی) التبیان فی تفسیر القرآن، بیروت: داراحیاء التراث العربی ج ۲، ص: ۳۵۸۔

[4] ۔ طباطبایی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم: دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ، ۱۴۱۷ق، ج ۶، ص: ۳۔

الف: انفرادی اسلوب زندگی

ا: ایمان

قرآن کریم کی نظر میں معاشرے کی رہنمائی سنبھالنا صرف مادی مقاصد کے لیے نہیں ہوتا اور نہ ہی دنیاوی لحاظ سے کسی مقام و منزلت والے کے لیے یہ عہدہ ہوتا ہے بلکہ معاشرے کے رہنما کے لیے با ایمان و صالح فرد ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ مادی و معنوی لحاظ سے اپنے ماتحت افراد کی ضرورتوں کو اچھے طریقے سے پورا کر کے ایک اچھا معاشرہ وجود میں لا سکے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا:

---أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ[1]

ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔

یعنی زمین کے اصل حکمران، وارث اور رہنما اللہ کے نیک بندے ہیں۔ اور باقی سب اگر معاشرے کی رہنمائی ہاتھ میں لے بھی لیں تو غصبی حکومت ہو گی۔

اسی طرح ایک اور آیہ میں خداوند کریم نے باایمان افراد کو حکومت دینے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ[2]

تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا۔

ان جیسی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا فقط باایمان افراد کو معاشرے کے رہنما کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے، کیونکہ اللہ نے انسان کو پاک فطرت پہ پیدا کیا ہے اور چاہتا ہے کہ ہمیشہ پاک ہی رہے، اسی لئے اسلام دین فطرت انسان کو دیا اور اسے حکم دیا کہ اسی فطرت کے راستے پہ چلتے ہوئے اسلام پہ عمل کرے۔

اور اگر انسان پھر بھی غلط راستے پہ چلا جائے تو خدا بہت جلد اسلام کو کامیاب کر کے نیک افراد کو حاکم و رہنما بنا کر تمام افراد کو ان کی اطاعت کرنے پہ مجبور کر دے گا۔[1] اور " يَرِثُها عِبادِيَ الصَّالِحُونَ"

---

[1]۔ سورہ انبیا، آیہ ۱۰۵

[2]۔ سورہ نور، آیہ ۵۵

کے جملے سے پتہ چلتا ہے کہ "سیاست دین سے جدا نہیں ہے"[2] بلکہ باایمان افراد بہتر طریقے سے معاشرے کے نظام کو سنبھال سکتے ہیں؛ کیونکہ ایمان کی کمزوری سبب بنتی ہے کہ انسان خدا کے فرامین کو نظرانداز کرکے بہت گناہ جیسے ظلم، دوسروں کے حقوق کو ضائع کرنا و۔۔ شروع کر دیتا ہے اور اگر 'رہنما' ہی کا ایمان کمزور ہو اور ظلم و ستم کا مرتکب ہو رہا ہو تو اس کے ماتحت افراد بھی دوسروں پہ چڑھائی کرنے لگیں گے۔

۲: تقویٰ

رہنما کو "قرآنی اسلوب زندگی" کو اپناتے ہوئے تقویٰ اپنانا چاہیے، کیونکہ خداند تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی بلندی و برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [3]

تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناوہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اللہ یقیناخوب جاننے والا، باخبر ہے۔

قرآنی طرز زندگی "میں جس طرح ایک رہنما کا باایمان ہونا لازمی ہے اسی طرح باتقویٰ ہونا بھی لازمی ہے کیونکہ تقویٰ ایمان کا اثر ہے اور ان دونوں کو آپس میں جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:

لاینْفَع الایمانُ بِغیرِ تقوی [4]

ایمان کا تقویٰ کے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تقویٰ انسان کو گناہوں جیسے ظلم، خیانت، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے سے محفوظ رکھتا ہے، لہذا "قرآنی طرز زندگی "اپنانے والے مثالی معاشرے میں غیر صالح قائد کی کوئی جگہ نہیں ہے، کیونکہ رعیت اپنے حاکم کی اتباع کرتی ہے اور فاجر وفاسق حاکم کی صورت میں پوری رعیت فاسد

---

[1] طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، ج ۴، ص ۴۴۵

[2] ۔ قرائتی محسن، تفسیر نور، چ یازدہم، تہران: مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن، سال چاپ: ۱۳۸۳ش، ج ۵، ص: ۵۰۴

[3] ۔ سورہ حجرات آیہ ۱۳

[4] ۔ خوانساری جمال، محمد بن حسین, شرح جمال خوانساری بر غرر الحکم و درر الکلم، تہران: دانشگاہ تہران، ۱۳۶۶ش ج۶ص ۴۱۲

ہو جاتی ہے۔ لیکن صالح اور نیک حاکمیت کی صورت میں معاشرہ بھی صالح اور نیک بن جاتا ہے، اسی لئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "فَلَيْسَتْ تَصْلُحُ الرَّعِيَّةُ إِلاَّ بِصَلاَحِ الْوُلاَةِ-[1] یعنی: رعایا کی اصلاح تب تک ممکن نہیں ہے جب تک والی صالح نہ ہو، لہذا اگر حاکم ور ہنما باتقویٰ ہوں تو عوام خود بخود بہت سے جرائم سے بچ جائے گی۔

۳: علمی بصیرت

"معاشرتی رہنما" کے پاس علمی بصیرت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر " صحیح رہنمائی" کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو لوگوں کے لیے "ہادی ور ہنما" بنایا تو علم کو فرشتوں پہ برتری کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

> وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً --- وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ [2]
>
> اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔۔۔ اور (اللہ نے) آدم کو تمام نام سکھا دیے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

اور اسی طرح طالوت کے واقعے کو نقل کرتے ہوئے قرآن مجید نے "رہنما" کی دو صفات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> ۔۔۔ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ - [3]
>
> ۔۔۔ اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسمانی طاقت کی فراوانی سے نوازا ہے۔

---

[1]۔ فیض کاشانی، محمد محسن بن شاہ مرتضی، الوافی، اصفہان: کتابخانہ امام إمیر المؤمنین علی علیہ السلام، ۱۴۰۶ق، ج۲۶، ص: ۶۷ ، ۱۷۸۔ کلینی، محمد بن یعقوب الکافی تہران: دار الکتب الإسلامیۃ ۱۴۰۷ق، ج۸ ص ۳۵۲

[2]۔۔ سورہ بقرہ آیہ ۳۰،۳۱

[3]۔ سورہ بقرہ آیہ ۲۴۷

اس آیہ سے یہ ثابت ہوا کہ "رہنمائی" کے لیے علم و جسمانی طاقت دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور خداوند کریم نے بتادیا کہ رہبری کے لیے تمہارا مال و دولت اور صاحب مقام و منزلت ہونے والا معیار غلط ہے۔ اور اصل میں رہبری کی بنیادی شرائط دو ہیں۔

پہلی: علم رکھتا ہو دوسری: طاقت و صلاحیت رکھتا ہو، تاکہ علم کے ذریعے مسائل کو سمجھ سکے اور طاقت سے حل کر سکے[1]۔ آیہ میں علم کا کلمہ پہلے ہونا دلیل ہے کہ علمی صلاحیت کا ہونا جسمانی طاقت سے زیادہ اہم ہے۔[2]

۴: تواضع

رہنما کے لیے ضروری ہے کہ "متواضع" ہو، تاکہ لوگ اس کے شر سے امن میں رہیں اور اپنے مسائل بتانے سے نہ ہچکچائیں۔ اور قرآن مجید میں خداوند کریم نے پیغمبر اکرم ﷺ جیسے "عظیم رہنما" کو بھی تواضع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ[3]

اور جو صاحبانِ ایمان آپ کا اتباع کر لیں ان کے لیے اپنے شانوں کو جھکا دیجئے"

جب ان جیسی عظیم ہستی کو تواضع کی ضرورت ہے تو عام "رہنما" کو تو زیادہ ہی خیال رکھنا چاہیے۔ تاکہ لوگ اس پہ اعتماد کریں اور اس کے اصلاحی کاموں میں اس کا ساتھ دیں۔ اور جب حاکم سختی سے پیش آئے تو معاشرے کے بہت سے غریب افراد اس کی طرف رجوع کرنے سے کترانے لگتے ہیں۔

جیسا کہ امیر المؤمنینؑ نے مالک اشترؒ سے فرمایا:

فاخفِض لهم جناحک، وا لِن لهم جانِبک، و ابسط لهم وجهک، و آسِ بینهم فِی اللحظِ و النظرِة،حتی لا یطمع العظما فِی حیفِک لهم، و لا ییاس الضعفاء مِن عدلِک علیهِم[4]

---

[1]۔ مکارم، ناصر، (مترجم: نجفی، صفدر حسین) تفسیر نمونہ، لاہور: مصباح القرآن، بی تا ج۲، ص: ۲۳۸۔

[2]۔ قرائتی، محسن تفسیر، نور، ج۱، ص: ۳۸۶

[3]۔ شعراء: ۲۱۵

[4]۔ شریف رضی، محمد حسین (ترجمہ و حواشی مفتی جعفر حسین)، نہج البلاغہ اسلام آباد: محمد علی فاؤنڈیشن، خط ۴۶، ص ۵۰۶۔

معاشرہ کے لوگوں کے سامنے خصوع و خشوع سے پیش آ اور ان کے سامنے نرم مزاجی، خندہ پیشانی اور کشادہ سے پیش آؤ، ان سے اپنا رویہ نرم رکھو اور کنکھیوں اور نظر بھر دیکھنے اور اشارہ وسلام کرنے میں برابری کرو تاکہ بڑے لوگ تم سے بے راہ روی کی توقع نہ رکھیں اور ناتوان و مستضعف لوگ تمہاری عدالت سے مایوس نہ ہو جائیں۔

۵: نمونہ عمل ہونا

"معاشرتی رہنما" کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ میرے ماتحت افراد مجھے دیکھ کر اثر لیتے ہیں، لہذا ہر کام کو اتنے اچھے طریقے سے کرے کہ اگر لوگ اس کا اثر لے کر ویسا ہی کام کریں تو معاشرے میں کوئی فساد نہ پھیلے۔اور کائنات کے عظیم ترین رہنما پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند کریم نے لوگوں کے لیے "اسوہ حسنہ "قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

تو اگر ہر 'رہنما' مکمل طور پر نہیں بھی بن سکتا تو جس قدر ممکن ہو اتنا دوسروں کے لیے اچھے کاموں میں "نمونہ عمل" بننے کی کوشش کرے تاکہ اس کے ماتحت افراد اس سے اچھی چیزیں سیکھ سکیں۔

۶: صبر و بردباری

معاشرے کے رہنما کے لیے ضروری ہے کہ صبر و بردباری سے کام لے، تاکہ اس کے کاموں میں غلطیاں کم ہوں اور بے صبری کا شکار ہو کر اپنے ماتحت افراد کو نقصان نہ پہنچائے اور خداوند متعال نے اپنے منتخب شدہ پیشواؤں کی صفت صبر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا - [2]

اور جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھے ہوئے تھے

[1] ۔ سورہ احزاب، آیہ ۲۱

[2] ۔ سجدہ: ۲۴

اور خداوند متعال نے پیغمبر اکرم ﷺ جیسے "عظیم رہنما" کو صبر کرنے پہ اپنی غیبی مدد کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:

بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ [1]

ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو دشمن جب بھی تم پر اچانک حملہ کر دے تمہارا رب اسی وقت پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

لہذا کوئی بھی رہنما تب کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ اپنے تمام کاموں میں صبر و تحمل سے کام لے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔

۷: شرح صدر

شرح صدر کا مطلب ہوتا ہے کہ روحانی و فکری لحاظ سے وسعت کا مظاہرہ کرنا اور بہت زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا اور کامیاب رہنما کے لیے یہ نہایت ضروری چیز ہے کیونکہ جو رہنما "فکری وسعت" نہ رکھتا ہو وہ عقلی فیصلے نہیں کر سکتا۔

اسی لئے حضرت موسیٰؑ کو جب معاشرے کی رہنمائی خدا کی طرف سے سونپی گئی تو فرمایا:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي [2]

موسیٰ نے عرض کی: پروردگار میرے سینے کو کشادہ کر دے"

اس سے پتہ چلا کہ اگر 'رہنما' کے پاس "شرح صدر" ہو تو فرعون اور اس کے ساتھیوں جیسے بگڑے ہوئے لوگوں کی بھی رہنمائی کی جا سکتی ہے۔ اور یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ خداوند کریم نے پیغمبر اکرم ﷺ کو یاد کرواتے ہوئے فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ [3]

کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟

[1]۔ سورہ آل عمران، آیہ ۱۲۵
[2]۔ سورہ طہ، آیہ ۲۵
[3]۔ سورہ انشراح، آیہ ۱

اور امیر المؤمنین علیؑ شرح صدر کو رہنمائی کے لیے لازمی وسیلہ سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں: "آلة الرياسة سعة الصدر؛[1] شرح صدر حکومت (رہنمائی) کا وسیلہ ہے۔ کیونکہ 'رہنما' کو ہر طرح کے افراد سے سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے اس میں بہت زیادہ "وسعت نظر" ہونی چاہیے، تاکہ سب کی "رہنمائی" اچھے طریقے سے کر سکے۔

ب: اجتماعی اسلوب زندگی

ا: عادل ہونا

"معاشرے کے رہنما" کے لیے ضروری ہے کہ عدل وانصاف قائم کرے تاکہ اس کے ماتحت افراد بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔ اور عدل وانصاف صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں چاہیے بلکہ اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے اور کسی خاص زمانے، یا علاقے میں ہی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہر لحاظ سے عام ہونا چاہیے۔ جیسا کہ خداوند کریم نے عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۔[2]
>
> اے ایمان والو! اللہ کے لیے بھرپور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے، (ہر حال میں) عدل کرو!

آیہ کریمہ سے پتہ چلا کہ کسی کی دشمنی تمہیں عدل وانصاف سے روک نہ سکے، اگرچہ دشمن کافر ہی کیوں نہ ہو۔[3] اور اگرچہ خود تمہارے یا کسی رشتہ دار و۔۔۔ کے فائدے میں ہو یا نقصان میں

---

[1]۔ ہاشمی خوئي، میرزا حبیب اللہ (مترجم: حسن زادہ آملی، حسن، و کمرہ‌ای، محمد باقر محقق: میانجی، ابراہیم) منہاج البراعة فی شرح نہج البلاغة، چ چہارم، تہران: مکتبة الإسلامية ۱۴۰۰ق، ج۲۱ ص ۲۵۳

[2]۔ سورہ مائدہ، آیہ ۸

[3]۔ قمی مشہدی، محمد بن محمد رضا، (محقق: حسین درگاہی) تفسیر کنز الدقائق و بحر الغرائب، چ اول، تہران: سازمان چاپ وانتشارات وزارت ارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ش، ج ۴، ص ۵۸

ہو پھر بھی نہ چھوڑو: "لا يَجْرِمَنَّكُمْ ... اعْدِلُوا "کا جملہ بتا رہا ہے کہ احساسات و جذبات عدالت کے زیر اثر رہنے چاہیے۔[1]

اور قرآن مجید نے عدل و انصاف کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔[2]

بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔

ان قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا معاشرہ چاہتا ہے کہ جس میں ہر شخص عدل وانصاف پر عمل کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہو اور حضرت علیؑ معاشرتی سطح پر عدالت کے اجراء کو حکام کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِنَّ أَفْضَلَ قُرَّةِ عَيْنِ الْوُلاَةِ اسْتِقَامَةُ الْعَدْلِ فِي الْبِلاَدِ، وَظُهُورُ مَوَدَّةِ الرَّعِيَّةِ۔[3]

بے شک حکام اور والیوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ملکی (معاشرتی) سطح پر عدالت کا قائم کرنا اور رعایا کے دلوں کو اپنی طرف جذب کرنا ہے۔

حاکم کا عادل ہونا سبب بنتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے دوسرے مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں فلاح اور بہبودی وجود میں آتی ہے، ہر طرح کی غربت، بربریت اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:

بالعدل تصلح الرعية۔[4]

عدالت اجرا کرنے سے رعایا میں اصلاح ہو جاتی ہے۔

---

[1] ۔ قرائتی، محسن، تفسیر نور، ج ۲، ص: ۲۵۱

[2] ۔ حدید: ۲۵

[3] ۔ شریف، رضی، نہج البلاغہ، خط ۵۳، ص ۵۷۰

[4] ۔ ایضاً، خط ۷۰ ص ۶۱۳

۲: امین ہونا

معاشرے کے رہنما کے لیے امین ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کی جان، مال و۔۔۔ کا صحیح طرح سے خیال رکھ سکے۔ اور امانت اللہ کے نزدیک ایک ایسی پسندیدہ صفت ہے جسے مؤمنین کی صفات میں سے قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ[۱]

اور وہ جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔

اور جب مصر کے حاکم نے حضرت یوسفؑ کو اپنے دربار میں منصب دینا چاہا تو انہوں نے اپنا نسب و دیگر فضائل بیان نہیں کیے، بلکہ اپنی "امانت داری" کا ذکر کیا۔[۲] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔[۳]

یوسف نے کہا: مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کریں کہ میں بلاشبہ خوب حفاظت کرنے والا، مہارت رکھنے والا ہوں۔

چونکہ حضرت یوسفؑ مصر کے زندان میں بھی لوگوں کی بری حالت اور حکومت وقت کے فتنہ و فساد سے باخبر تھے، اسی لئے انہوں نے مصری عوام پر حکمران سیاسی نظام کو ختم کر کے انہیں امن و انصاف مہیا کرنے کی فکر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور خصوصاً مالیات کا عہدہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ اگر مالی لحاظ سے امانت داری سے کام ہوا تو معاشرے میں سے بہت سے جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا۔[۴]

اور قحط کے دنوں میں سب کو صحیح طور پر حقوق بھی دئے جا سکیں گے اور حضرت یوسفؑ جہاں ہر طرح کی پارٹی بازی ختم کر کے مستحقین کو ان کے حقوق دلوانا چاہتے تھے وہیں پہ ہر غیر مستحق کو روکنا بھی چاہتے تھے۔[۵]

---

[۱]۔ سورہ مومنون، آیہ ۸

[۲]۔ فخر رازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ق ج ۲، ص ۴۱۸

[۳]۔ سورہ یوسف، آیہ ۵۵

[۴]۔ مکارم شیرازی، ناصر، الأمثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل، چ اول، قم: مدرسہ امام علی بن ابی طالب علیہا السلام، ۱۴۲۱ ق، ج ۷ ص ۲۳۷

[۵]۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲، ص ۲۴۲

عہدہ لینے کی وجہ علم وامانت داری کو بیان کر کے بتادیا کہ ان دو صفات کے بغیر ایسا کوئی بھی عہدہ نہیں چلایا جا سکتا۔[1] اور اس آیہ سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے میں اچھائی کے قیام کے لیے اپنی خصوصیات کو بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

۳: مشورہ کرنا

"معاشرتی رہنما" کو اہم کاموں میں دوسروں سے مشورہ کرنا چاہیے، کیونکہ 'مشورہ' اس قدر اہم ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں پیغمبر اکرم ﷺ کو دوسروں سے مشورے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

---وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ [3]

اور ان سے امر (جنگ) میں مشورہ کرو۔

حالانکہ وہ معصوم اور عام لوگوں سے کئی گنا زیادہ "قوی عقل" کے مالک ہیں اور انہیں دوسروں کے مشوروں کی ضرورت نہ تھی، لیکن خداوند کریم نے "مشورے کی اہمیت" کو اجاگر کیا۔

اور اسی طرح مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ [4]

اور جو اپنے رب کو لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

دراصل مشورے کے ذریعے انسان دوسروں کی عقل سے فائدہ اٹھا کر ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

و من شاور الرجال شارکها فی عقولها[5]

---

[1]۔ طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، ج۱۱، ص: ۲۷۴

[2]۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج۱۲، ص ۲۴۲

[3]۔ سورہ آل عمران، آیہ ۱۵۹

[4]۔ سورہ شوریٰ، آیہ ۳۸

[5]۔ شریف، رضی، نہج البلاغہ، حکمت ۱۶۱، ص ۶۵۹

جو دوسروں سے مشورہ کرے وہ ان کی عقل میں شریک ہو جاتا ہے۔

اور کوئی عقل مند بھی مشورے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لا یستغنی العاقل عن المشاورة-[1]

یعنی: کوئی عقل مند بھی مشورے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا" تو پھر "معاشرتی رہنما" کو تو عام لوگوں سے بھی زیادہ مشورے کی شدید ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ 'رہنما' نے بہت سے افراد کے مسائل حل کرنے ہوتے ہیں۔ اور اسے دوسروں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حضرت علیؑ نے مشوررے کو مددگار قرار دیتے ہوئے فرمایا: "لا مظاهرة اوثق من المشاورة [2]؛ یعنی: مشورے سے بڑھ کر کوئی چیز مددگار ثابت نہیں ہو سکتی"

اور 'رہنما' کو چاہیے جب دوسروں سے "مشورہ" کرے تو پھر ان کی رائے کو اہمیت بھی دے، جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے "جنگ خندق" کے موقع پر اصحاب سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پہ عمل کرتے ہوئے مدینہ کے ارد گرد خندق کھدوائی تاکہ دشمن شہر تک نہ پہنچ سکے۔ [3]

۴: عفو و در گزر کرنا

معاشرے کے رہنما کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو 'معاف' کرنے والا بنے تاکہ لوگوں کی معمولی غلطیوں پہ سزا دے کر انہیں اپنے خلاف نہ اکسائے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور یہ اچھی طرح سے دوسروں کی "رہنمائی" عدل و انصاف کے ساتھ کر سکے۔ اور معاف کرنا اتنا ضروری ہے کہ خداوند کریم نے پیغمبر اکرم ﷺ جیسے "عظیم رہنما" کو اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ - [4]

---

[1]۔ تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، (محقق: رجائی، سید مہدی)، غرر الحکم و درر الکلم، چ دوم، قم: دار الکتاب الإسلامی، ۱۴۱۰ ق، ج ۲، ص ۱۵۶

[2]۔ رضی، شریف، نہج البلاغہ، حکمت ۱۱۳، ص ۶۴۴

[3]۔ ابن ابی جمہور، محمد بن زین الدین، عوالی اللئالی العزیزیة فی الأحادیث الدینیة، ج ۴، ص ۲۲۹؛ علامہ حلی، حسن بن یوسف بن مطہر، کشف الیقین فی فضائل إمیر المؤمنین علیہ السلام، تہران: وزارت ارشاد، ۱۴۱۱ ق، ص ۳۵۵؛ التستری، القاضی نور اللہ المرعشی، إحقاق الحق، اللہ مکتبة آیة اللہ المرعشی النجفی، قم، ۱۴۰۹ ق، ج ۶ ص ۴۔ ؛ حر عاملی، محمد بن حسن، إثبات الهداة بالنصوص والمعجزات، بیروت: اعلمی، ۱۴۲۵ ق ج ۳، ص ۲۶۲

[4]۔ سورہ اعراف، آیہ ۱۹۹

(اے رسول) در گزر سے کام لیں، نیک کاموں کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔

لہذا "معاشرتی رہنما" کو لوگوں کی غلطیوں کو اس طرح معاف کرنا چاہیے جس طرح وہ اپنی خطاؤں کے لیے خدا سے معافی چاہتا ہے جیسا کہ آیہ شریفہ میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ[1]

اور انہیں عفو و در گزر سے کام لینا چاہیے۔ کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ غفور، رحیم ہے۔

اور معاف کرنا اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اس کا اجر اپنے ذمے لیتے ہوئے فرمایا:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۖ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ[2]

اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی سے لینا (جائز) ہے، پھر کوئی در گزر کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے، اللہ یقیناً ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر رہنما چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کرے تو اس کے ماتحت افراد اس کے دوست بن کر بڑے بڑے کاموں میں اس کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "العفوُ تاجُ المکارِمِ[3] "معاف کرنا اچھائیوں کا تاج ہے۔" تو جب ساری اچھائیوں کا تاج سر پہ سجا کر رہنما رہے گا تو عوام خود بخود اچھائی کی طرف راغب ہو جائے گی۔

نتیجہ

اس تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پہ پہنچی ہوں کہ اگر کوئی کامیاب "معاشرتی رہنما" بننا چاہتا ہے تو اسے قرآن سے گہرا تعلق پیدا کر کے "قرآنی اسلوب زندگی" اپنانے چاہیے۔ کیونکہ قرآن مجید میں الہی

---

[1]۔ سورہ نور، آیہ ۲۲

[2]۔ سورہ شوریٰ، آیہ ۴۰

[3]۔ لیثی واسطی، علی بن محمد (محقق: حسنی بیرجندی، حسین)، عیون الحکم والمواعظ، قم: دار الحدیث ۱۳۷۶ ش، ج ۲ ص ۱۷۔

اخلاق ذکر ہوئے ہیں جنہیں اپنا کر اور دوسروں پہ لاگو کر کے وہ اپنے آپ کو اور ماتحت افراد کو بھی دنیاوی واخروی لحاظ سے سعادت مند بنا سکتا ہے۔
اور اگر کوئی رہنما ایسا نہ کر سکے تو بہت سے لوگوں کی دنیا و آخرت کی بد بختی کا ذمہ دار قرار پائے گا اور موجودہ دور میں مسلم معاشروں کا بہت بڑا المیہ یہی ہے کہ "معاشرتی رہنما" خود قرآن سے کوسوں دور اور عیش و عشرت کی زندگی میں مگن ہیں جس کے نتیجے میں عوام کے درمیان میں بھی بہت سی برائیاں رائج ہوتی جا رہی ہیں اور مسلمان بہترین "تہذیب و ثقافت" و "نظام زندگی" کے وارث ہوتے ہوئے بھی تنزلی کا شکار ہیں۔اور اگر چودہ صدیاں بعد بھی اگر کوئی مسلمان رہنما "قرآنی اسلوب زندگی" اپنائے تو وہ امام خمینیؒ بنتا ہے۔